جلد04، شمارہ01، جون2023

احمد ندیم قاسمی بطور غالب شناس

Ahmad Nadeem Qasmi as Expert in Ghalib Studies

Dr. Sabina Awais
Associate Professor, Govt. College Women University Sialkot

ڈاکٹر سبینہ اویس
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی سیالکوٹ

p ISSN: 2789-4169
e ISSN :2789-6331
Received: 22-5-2023
Accepted:
Online:

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract:Ahmad Nadeem Qaasmi was known as the great name in the field of Urdu literature. He gained utmost importance as Columnist, fiction writer and as a poet. He was also a great critic and script writer. In his critical writing, he presented and highlighted the importance of literary criticism, principles and ideological importance of literary work in Urdu. He wrote a lot about "Mirza Ghalib". "Ghalib" was a great name in Urdu poetry and nobody can deny the supreme poetry done by him. Qaasmi was very impressed from literary work done by "Ghalib" and he wrote a large number of commentaries about Mirza Ghalib's work. He discovered new parameters and dimensions about Mirza Ghalib's poetry. He penned down new knowledge, he obtained after studying Ghalib. He was known as a great name as "Ghalib Feham" because he made different experimentation and exploited new horizons of Ghalib's Poetry. Qaasmi was a great advocate of the notion that Urdu got independence from other languages due to work done

by Mirza Ghalib. It's the Mirza Nosha who brought Urdu in open air and gave it oxygen so that he might flourish independently without any prejudice. This following article will highlight hidden and novel elements present in Qaasmi's books about Mirza's literary work.

Keywords: Critic, Script Writer, Dimensions, Experimentation, Prejudice, Horizon.

کلیدی الفاظ: نقاد، فلسفۂ حیات، مکاتیبِ غالب، سماجی زندگی، تنقیدی نظریات، حساس فنکار

احمد ندیم قاسمی ہشت پہلو شخصیت کے مالک ایک متحرک انسان تھے۔ وُہ مقبول افسانہ نویس، ممتاز شاعر، معروف کالم نویس، معتبر نقّاد، خاکہ نگار، مضمون نویس، مؤقر اخبار و جرائد کے مدیر، فلیپ نویس، دیباچہ نگار، تبصرہ نویس اور سکرپٹ رائٹر تھے۔ اُنھوں نے ادب کی جس صنف پر قلم اٹھایا اس میں منفرد پہچان قائم کی۔ ترقّی پسند تحریک سے ذہنی طور پر گہری وابستگی بھی رہی۔ لیکن اپنی گوناگوں مصروفیت کے باوجود پچھہتر برس تک اُن کے قلم کی روشنائی خشک نہ ہوئی۔ احمد ندیم قاسمی ایک ناقد کی حیثیت سے بھی پہچان رکھتے ہیں۔ ان کی تنقیدی تحریروں میں وسعتِ فکر و نظر، تخیل کی بلند پروازی، جمالیاتی حُسن، انسان دوستی اور حُسن و خیر بدرجۂ اتّم موجود ہیں۔ اُن کی تنقیدی کتب میں علامہ اقبال ۱۹۷۷ء، پس الفاظ ۲۰۰۳ء، تعلیم اور ادب و فن کے رشتے ۱۹۷۴ء، تہذیب و فن ۱۹۷۵ء، معنی کی تلاش ۲۰۰۳ء، نذر حمید احمد خاں ۱۹۸۰ء شامل ہیں۔ اُنھوں نے محولہ بالا تنقیدی کتب میں اُصولِ ادب سے لے کر تنقیدی نظریات کو مفصل انداز میں پیش کیا ہے۔ ۱۹۷۴ء سے ۲۰۰۴ء تک بائیس برس میں طویل و مختصر مضامین پر مشتمل چھے مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔ قاسمی نے تنقید اور اس کے نظریات کی اہمیت کو واضح کیا۔ وُہ تنقید کے اس بحرِ بے کراں کے ایسے شناور دِکھائی دیتے ہیں جو اس کی گہرائی سے ادبی، تنقیدی، فنی و فکری گوہر تلاش کر لیتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے من پسند شخصی موضوعات میں دیگر شخصیات کے علاوہ غالب، اقبال اور قرۃ العین حیدر بھی شامل تھے۔ وُہ ان شعرا اور نثر نگاروں سے جذباتی تعلق پیدا کر کے قاری کی تفہیم کے لیے ایک ہمدردانہ رویّہ اپناتے اور بعض مقامات پر اختلاف بھی رکھتے ہیں۔

اُردُو ادب میں غالب کی علمی و ادبی اہمیت مسلم ہے ان کی علمی، ادبی اور فنی شخصیت کو اعلیٰ فکر کی بدولت دوام حاصل ہوا۔ ناقدینِ ادب نے فکر و فنِ غالب کو نت نئے گوشوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ فلسفۂ حیات ہو یا فلسفۂ جمال، فلسفۂ تصوف ہو یا نظریۂ فن اس بے مثال فنی عظمت کے حامل شاعر پر ہر زاویہ سے لکھا گیا۔ قاسمی نے بھی اس سلسلے میں مضامین تحریر کیے۔ ان کی تنقید پر مشتمل کتاب "پسِ الفاظ" میں "خصوصی مطالعۂ غالب" کے عنوان سے نو مضامین شامل ہیں:

۱-	غالبِ خستہ کے بغیر	۱۹۶۶ء
۲-	غالب کی صد سالہ برسی	ستمبر ۱۹۶۸ء
۳-	پوچھتے ہیں وُہ کہ غالب کون ہے؟	۱۹۶۷ء

۴- جیتا جاگتا غالب
۵- فکر و فن کا امتزاج غالب فروری ۱۹۶۸ء
۶- غالب کی حسرتِ تعمیر
۷- غالب کا اندازِ گل افشانیِ گفتار ۱۹۷۰ء
۸- غالب کی جستجوئے جمال فروری ۱۹۶۹ء
۹- سخن ناشناسی ۱۹۶۸ء

پیشِ نظر مجموعے کے سات مضامین میں سنہ اشاعت کا التزام کیا گیا ہے جب کہ دو مضامین میں ماہِ اشاعت درج نہیں علاوہ ازیں دو مضامین میں تاریخ و سنہ اشاعت درج نہیں۔ ان مضامین کو منصورہ احمد نے مرتب کیا، منصورہ احمد کے نزدیک یہ مضامین غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر لکھے گئے جب کہ ان مضامین میں درج سنین سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غالب کے فکر و فن پر مشتمل یہ مضامین مختلف اوقات میں مختلف تقاریب میں پڑھے گئے۔ بعد ازاں انھیں تنقیدی کتاب بعنوان "پسِ الفاظ" میں گوشۂ غالب کے نام سے محفوظ کر لیا۔ قاسمی کے یہ تنقیدی مضامین غالب کی تفہیم کے حوالے سے اہم ہیں۔

احمد ندیم قاسمی غالب سے بہت متاثر تھے۔ اُن کے دل میں تحسینِ غالب کا نرم گوشہ بھی موجود تھا۔ اس کا مسلمہ ثبوت محولہ بالا مضامین اور "فُنُون" کا غالب نمبر ہے۔ فنون کے اس غالب نمبر میں غالب کے فکر و فن پر مبسوط مقالات تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب کی زمین میں معروف شعرا سے غزلیں لکھوا کر مجلّے "فُنُون" میں شامل کیں۔ اس غالب نمبر میں غالب کی نثر بالخصوص مکاتیبِ غالب کو بھی شامل کر کے اس غالب نمبر کی افادیت و اہمیت کو دوچند کیا۔ قاسمی کو غالب کے فکر و فن سے بہت محبّت تھی۔ غالب کے فن کو بہت سراہتے ہوئے وُہ اکثر مضامین و مقالات میں دیوانِ غالب کی مثالیں دیتے۔ اکثر و بیشتر غالب کے اشعار گنگناتے اور مسرور ہوتے۔ اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

"دیوانِ غالب کو مَیں نے بار بار پڑھا ہے اور اب بھی پڑھتا ہوں"۔[i]

غالب کے دور میں سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی اعتبار سے معاشرہ کھوکھلا ہو چکا تھا۔ افراتفری کا دور تھا۔ سماجی زندگی میں بگاڑ تھا۔ غالب ایک حساس فن کار تھے یہی وجہ ہے کہ غالب کے فکر و فن پر حالات و واقعات کا گہرا اثر ہوا۔ یہی اثرات اُن کی شاعری اور مکاتیب میں بھی واضح نظر آتے ہیں کیوں کہ ان کی ذہنی نشو و نما انہی حالات کے سائے میں ہوئی۔ غالب کے حالاتِ زندگی کی زیادہ عکاسی مکاتیب میں نظر آتی ہے ان خطوط میں خلوص و صداقت موجود ہے ان خطوط میں مبالغہ آرائی نہیں، تکلف نہیں، تصنع بھی موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ ان خطوط میں ایک مانوس فضا ملتی ہے۔ غالب کی ذہنی نشو و نما پُر اضطراب اجتماعی ماحول میں ہوئی۔ بچپن سے ہی انھیں سنگین حالات سے دوچار ہونا پڑا اور آرزوؤں کی لامتناہی فضاؤں میں زندہ رہتے ہوئے بھی زندگی کے تلخ حقائق سے نبرد آزما ہوئے۔ خطوطِ غالب سے ان حالات سے مفاہمت اور اپنی طبعی رجائیت کو باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے۔

قاسمی کے خیال میں غالب کے فن کا بنیادی مقصد فکری جمود کی مکمل طور پر بیخ کنی کرنا تھا جو مسلمانانِ برعظیم کے ذہنوں پر سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد مسلط ہو چکا تھا۔ غالب ایک باشعور شاعر کی طرح ماضی کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے مستقبل کو اپنے معیاروں کے مُطابق ڈھالنے

کی سعی کرتے ہیں۔ وُہ تمام اُمور کو اپنی شاعری کا حصہ بنا کر قارئین سے داد و تحسین حاصل کرتے ہیں۔ قاسمی لکھتے ہیں:

”یہ غالب ہی کی قد آور شخصیت کا معجزہ ہے کہ ہماری شاعری رعایتِ لفظی کے مداری پن سے نکل کر مسائل حیات و کائنات سے پنجہ آزما ہوئی“۔[ii]

غالب نے اپنے گرد و پیش کے افراد کے ذہنوں کو جو مدت سے جمود کا شکار تھے اس فکری جمود کے حصار سے باہر نکال کر حیات و کائنات کے مسائل پر غور و فکر کی دعوت دی۔ اپنے قارئین کو رازداری سے بتاتے ہیں:

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کُھلا [iii]

قاسمی کے خیال میں یہ وہی اسرار و رموز ہیں جو غالب کی وفات کے پینسٹھ برس بعد علامہ اقبال اپنے قاری پر منکشف کرتے ہوئے بالِ جبریل کی ایک غزل میں فرماتے ہیں:

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں [iv]

قاسمی اپنے مضمون بعنوان ”فکر و فن کا بے مثال امتزاج..... غالب“ میں غالب کے فکر کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے شعر کو فکر اور فکر کو شعر کا جامہ پہنانے کی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ شاعر کی تخلیق پر ماحول کے اثرات گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ غالب کا فکر صداقت پر مشتمل تھا۔ قاسمی کے اسلوب میں چونکا دینے کا عنصر بھی موجود ہے۔ مثلاً جہاں وُہ کلام غالب کو سراہتے ہیں وہیں جذبۂ تجسس کو بھی بیدار رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

”غالب کا فکر..... صرف منطقی موشگافیوں پر اکتفا نہیں کرتا۔ اس کا فکر حقیقت اور صداقت سے ربط قائم رکھتا ہے۔ یوں غالب کا فکر زندہ فکر ہے کیوں کہ وُہ زندگی کا فکر ہے..... ایسے زندہ فکر سے آراستہ ہو کر سچ مچ کا شعر کہنا اکا دکا شاعروں ہی کا کام ہے۔ یہ ایسی آزمائش ہے جس میں بعض اوقات اقبال تک پورا نہیں اترتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اقبال ”ایک پیغام کا ایک مشن“ کا شاعر ہے اور غالب صرف شاعر ہے“۔[v]

قاسمی متذکرہ بالا باتوں کا سنجیدگی و گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں اور انھیں ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مختلف اشعار بھی درج کیے ہیں۔ قاسمی غالب کی افتادِ طبع، طرزِ فکر، ذہنی اُپج کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اُن کے مُدعا تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور پھر قاری کو عام فہم انداز میں غالب کے اشعار کے اصل مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں۔ قاسمی کی غالب شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

”احمد ندیم قاسمی ایک غالب شناس اور غالب پسند دانش ور فن کار تھے۔ وُہ غالب کو اُردو کی ایک تہہ دار متحرک، معنی خیز روایت تصور کرتے ہیں۔ ندیم صاحب کی نظر غالب کے موضوع اور اسلوب پر بڑی گہری ہے“۔[vi]

غالب ہماری قومی تہذیب کی متاعِ عزیز ہیں۔ غالب کو مسلمانوں کی تہذیبی عظمت کا بھی احساس تھا۔ وُہ جانتے تھے کہ اُن کی تہذیب نے جو روایت قائم کی ہے اس پر یقیناً فخر کیا جا سکتا ہے۔ انسانی تاریخ جن نشیب و فراز سے گذری اس کی اپنی اہمیت ہے لیکن اس روایت کو اپنے ارتقائی سفر میں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا شاعر نے اس کی ترجمانی بھی کی ہے۔ ان کی شاعری کی فضا شفّاف ہے اس میں تہذیبی پہلو غالب ہے۔ یہ ایسی شاعری ہے جو زندگی میں شمعیں فروزاں کرتی اور دلوں میں روشنی کے دِیے جلاتی ہے۔

قاسمی غالب کے متعلق لکھتے ہیں:

”..... وُہ ہماری تہذیب کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ آج ہماری تہذیب و فن کے چہرے پر جو وجاہت اور نکھار ہے، اس میں غالب کی نظم و نثر اور اس کی

شخصیت کی لطافت کا بہت بڑا حصہ ہے"۔[vii]

قاسمی کے محولہ بالا اقتباس کے اعتراف کا مفہوم یہ ہے کہ پاکستان کا باشعور طبقہ اپنی تہذیبی تاریخ سے کماحقہٗ آگاہ ہو۔ اہلِ قلم جانتے ہیں کہ اگر غالب ادب کا حصہ نہ بنتے تو علمی و ادبی لحاظ سے ہم پس ماندہ ہوتے۔

مولانا حالی اُردُو ادب کے معروف شاعر، نقاد، نثار گزرے ہیں۔ مولانا حالی نے غالب کی وفات پر اپنے دلی جذبات و احساسات کا اظہار مرثیے کی صورت میں کیا۔ قاسمی نے غالب کی شخصیت اور شاعری پر تنقید کرنے والے بل کہ پتھراؤ کرنے والے افراد کی خدمت میں اس مرثیے کے چند اقتباسات پیش کیے۔ قاسمی لکھتے ہیں:

> "متذکرہ مرثیے میں انھوں نے مرزا غالب کی شاعری اور شخصیت پر جس اعلیٰ، کھرے اور سچے خیالات کا اظہار کیا ہے، وُہ غالب کی فنی عظمت کے اعتراف و احترام کا نقش دل و دماغ پر ثبت کر دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ہاں ایسے بے فکر نقادانِ ادب بھی موجود رہے ہیں جو مولانا حالی کی تضحیک سے بھی باز نہیں آتے کہ دیکھیے، انھوں نے اپنی تصویر میں گلوبند لپیٹ رکھا ہے اور گلوبند استعمال کرنے والا، اچھّا شاعر کیسے ہو سکتا ہے! مگر مولانا حالی کی عظمت اور ثقاہت سے کوئی اجہل آدمی ہی انکار کرے گا اور جب حالی کی سی خود آگاہ اور فن شناس شخصیت غالب کے کمالِ فن کا قطعی غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتی ہے تو اگر غالب کے بدخواہ اپنے منفی رجحان پر نظرِ ثانی کر لیں تو اس میں ان کا بھی اور اُردُو شعر و ادب کا بھی بھلا ہے"۔ [viii]

قاسمی اپنے تنقیدی اور تجزیاتی جائزے میں غالب کے فن کی پرتیں کھولتے اور ان کی فن کارانہ اُپج کی گتھیاں سلجھاتے دِکھائی دیتے ہیں۔ غالب کے کلام کی اثر آفرینی، رعنائی اور تابندگی کے پس منظر میں موجود غالب کی اس فنی دست گاہ کے اسرار و رموز کھولتے چلے جاتے ہیں اور اپنا ماحصل پیش کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو غالب جدید شاعری اور اس کے مختلف فنی رجحانات اور جمالیاتی میلانات کے پیش رو نظر آتے ہیں۔ غالب بڑے ہی پہلو دار فن کار تھے۔ عصرِ حاضر میں مختلف خیالات و نظریات اور مختلف اسالیب و اندازِ بیان رکھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو غالب کے فن نے متاثّر کیا۔

قاسمی کی غالب پسندی قارئین کو مختلف زاویوں سے متاثّر کرتی ہے۔ غالب کے بارے میں کسی نے بالکل درست کہا ہے کہ اس کے ہاں خیال کی باریکی تو ہے مگر بیان کی تاریکی نہیں ہے! یہ تاریکی اس لیے نہیں ہے کہ غالب لفظ کو کچھ اس سلیقے سے استعمال کرتے ہیں اور مصرعے میں اس کی نشست اتنی مناسب ہوتی ہے کہ آس پاس کے الفاظ بھی اس کے نئے مفہوم سے چمک دمک اٹھتے ہیں۔ اس کے نئے الفاظ اور نئی ترکیبیں اپنے معانی کو اپنے اندر چھپا کر نہیں بیٹھی رہتیں بل کہ وُہ ادھر استعمال ہوتی ہیں، اُدھر قاری یا سامع کے ذہن پر گل افشاں ہو جاتی ہیں۔[ix]

قاسمی ایک غالب شناس اور غالب پسند دانش ور تھے انھوں نے اپنی کئی غزلیں غالب کی نذر کیں۔ قاسمی غالب کو اُردُو کی ایک تہہ دار، متحرک اور معنی خیز روایت تصور کرتے اپنے ایک مضمون "جیتا جاگتا غالب" میں کہتے ہیں:

> "غالب ایک عظیم ورثے کا آخری امین تھا۔ کسی نے کتنی حق بات کہی ہے کہ مغل تہذیب کا سارا حُسن اور قرینہ غالب کے اندازِ گفتار میں سمٹ آیا ہے۔ وُہ یقیناً اس تہذیب کا نوحہ خواں بھی ہے مگر ان عظیم الشان ایوانوں کے کھنڈروں پر وُہ سایے بھی پڑتے دیکھ رہا ہے"۔ [x]

کسی بھی شاعر کے کلام میں جو شعر و نغمہ اور صوت و آہنگ پیش ہوتا ہے اس کے پس منظر میں زُبان ہی کار فرما ہوتی ہے جس کے ذریعے شاعر اپنے جذبات و احساسات، تجربات و خیالات کو پیش کرتے ہیں۔ قاسمی غالب کے فن کی سب سے بڑی خوبی اس کے اسلوب کو قرار دیتے ہیں اور

اس کی فکری و علمی صورتِ حالات کو اپنے آئینۂ نقد میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ہم پر غالب کی شعری زُبان کی کرشمہ سازیوں کا پورا حال کھلتا چلا جاتا ہے۔ غالب زُبان کے بلند پایہ فن کار ہیں یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں جمالیاتی اظہار کے لیے جو زُبان استعمال کی وُہ زندگی سے بھرپور ہے۔ اس میں بڑی جولانی ہے۔ جدت اور تازگی ہے۔ شگفتگی بھی ہے شادابی بھی۔ رنگینی کی حامل بھی اور پُرکاری سے بھرپور بھی۔ غالب نے اسے خوب سنوارا نکھارا ہے۔ قاسمی لکھتے ہیں:

> ”اتنے بڑے کمال کے لیے اُس (غالب) کے پاس جو زُبان تھی اس کے الفاظ سال ہا سال تک ایک ایسے مفہوم میں استعمال ہونے کے باعث بے مایہ ہو چکے تھے۔ الفاظ کے معانی اس کی اس یکسانیت اور یک رنگی نے غالب کو نہ صرف نئے الفاظ کی تلاش پر آمادہ کیا بل کہ مروّجہ الفاظ کے نئے مفاہیم سے آرایش بھی اس کا مقصد ٹھہری۔ یوں اس نے جہاں فکری جمود کو توڑا وہاں لسانی جمود کو بھی ختم کیا اور میر تقی میر کے بعد ایک بار پھر اُردو کی رگوں میں نئے الفاظ اور پُرانے الفاظ کے نئے سے نئے مفہوم کا تازہ خون دوڑنے لگا“۔[xi]

قاسمی کی نظر غالب کے موضوع اور اسلوب پر گہری ہے۔ وُہ غالب کو اُردو کی تہذیب کی سب سے بڑی میراث تصور کرتے ہیں۔ روایتی اور رسمی لفظوں اور نئی تراکیب کی آمیزش کو ایک بڑا لسانی کارنامہ سمجھتے ہوئے مفاہیم کی تہہ داری کی قدر و قیمت خوب سمجھتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی نے اپنے ایک مضمون ”غالب کی جستجوئے جمال“ میں غالب کے جمالیاتی شعور کو اپنی سطح پر سمجھنے کی عمدہ کاوش کی ہے۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ غالب جمال دوستی یا جستجوئے جمال کے معاملے میں اپنے دور یا اس سے پہلے کے عہد کے شعرا سے بہت مختلف اور بلند ہے ان کا معیار جمال رسمی نہیں ان کے حُسن کا تصور مجرد فن ہے بل کہ زندگی اور زمین کے ساتھ نہایت گہرائی سے جُڑا ہوا ہے۔ قاسمی لکھتے ہیں: ”میں سمجھتا ہوں کہ غالب کے ہاں یہ جو حدوں کو توڑ کر آگے نکل جانے کا شوق اور کرب ہے وُہ اس کی جستجوئے جمال کی پیداوار ہے اور جو فن کار جمال کے عظیم اور پھر عظیم تر معیاروں کی جستجو میں رہتا ہے وُہ دراصل اپنے ماحول کی فصیلوں، اپنے معاشرے کی حدبندیوں اور اپنے عصر کی نارسائیوں کے خلاف بغاوت کر رہا ہوتا ہے اب آپ اسے طلب وسعت کہہ لیجیے یا جستجوئے جمال، غالب کو اپنی اس قوت کا مکمل شعور تھا“۔[xii]

غالب بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے۔ انھوں نے اُردو غزل کو بلند مقام عطا کیا۔ غالب کی غزل کا موضوع اگرچہ حُسن و عشق ہے، غالب کی عشقیہ شاعری اُردو ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ مگر انھوں نے جذبۂ عشق کی ترجمانی ایک الگ زاویے سے کی ہے۔ ان کے تصورِ حُسن و عشق میں حقیقت پسندی کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کا معشوق انسان ہے کوئی ماورائی مخلوق نہیں اس کا تعلق اسی فانی دنیا سے ہے۔ اُردو غزل کی روایت میں ہمیں صوفی شعرا کی شاعری میں رمز و ایمائیت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ غالب اگرچہ کوئی صوفی شاعر نہیں ہیں لیکن انھوں نے اُردو شاعری کی صوفیانہ روایت سے بھرپور استفادہ کیا بل کہ فلسفۂ تصوّف کے رازوں سے پردہ اٹھایا۔

قاسمی نے ۲۷ فروری کو بغیر تحقیق کیے اسے غالب کا یومِ وفات قرار دے دیا اور لاہور کے اہلِ قلم کو احساس دلایا کہ اتنے بڑے محسن کی برسی کا دن بھی عام دنوں کی طرح ہی گزر گیا۔ اپنے مضمون ”غالب خستہ کے بغیر“ میں غالب شناسوں اور غالب شناسی کے لیے قائم کردہ اداروں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا: ”غالب کی تاریخ وفات ادیبوں اور شاعروں کے ذہنوں پر نقش ہونی چاہیے“۔[xiii] ایسی تحریروں اور جملوں کے خالق قاسمی کے ذہن سے بھی غالب کی برسی کا دن محو ہو گیا چوں کہ یہ مضامین کالم کی صورت میں غالب کی برسی کے موقع پر لکھے گئے اور اگلے مضمون میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لاہور کے اہلِ قلم نے میری جہالت سے بھی زیادہ شدید بے حسی کا ثبوت دیا کہ جہاں انھوں نے غالب کی برسی میری فریاد کے باوجود نہ منائی، وہاں ان میں سے کسی نے یہ تکلیف بھی گوارا نہ کی کہ میری تصحیح کرتا اور بتاتا کہ غالب کا یومِ وفات ۲۷ فروری نہیں ہے ۱۵

فروری ہے اور اُردو کے اس عظیم ترین شاعر نے ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا تھا"۔[xiv] قاسمی جیسے غالب شناس شاعر اور نثّار کی تحریروں میں متذکرہ بالا جملے کھٹکتے ہیں کہ وُہ اکثر غالب کے اشعار گنگناتے، ان کا دیوان سفر و حضر میں ساتھ رکھتے۔ "دیوانِ غالب" سرہانے رکھ کر سوتے، وہی شخص اپنے پسندیدہ شاعر کی تاریخِ وفات کیسے بھول سکتا ہے۔ قاسمی نے نہایت ایمان داری کے ساتھ اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا۔ کلیم احسان بٹ اپنے مضمون "احمد ندیم قاسمی کی غالب شناسی" میں لکھتے ہیں کہ "اس مضمون کے مطالعہ کے بعد قاسمی کی غالب کے ساتھ دل چسپی پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے اور قاری کے ذہن میں موجود ان کی شخصیت کے نقوش دھندلانے لگتے ہیں"۔[xv] قاسمی کا رویّہ عاجزانہ عام نارمل انسانوں جیسا تھا۔ لہٰذا اگر کبھی قلم میں لرزش آ جائے اور اس رویّہ پر معذرت خواہ بھی ہوں تو بھی صلاحیتوں پر اعتراضات مناسب امر نہیں۔

شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں کہ بہت کم لوگوں کو اس بات کی خبر ہے کہ پاکستان میں احمد ندیم قاسمی نے غالب کی لڑائی لڑی۔ قاسمی نے جو غالب پسند تخلیقی فن کار کے طور پر مشہور ہیں انھوں نے غالب کے خلاف لکھنے والوں کی تحریریں پڑھ کر ہمیشہ دکھ کا اظہار کیا۔ اور بعض تحریروں کا جواب بھی دیا۔ ۲۳ اگست ۱۹۹۹ء کو انھوں نے شکیل الرحمٰن کے نام ایک طویل خط لکھا اس میں لکھتے ہیں: "شاید آپ کو علم نہیں کہ یہاں لاہور میں ایک صاحب نے غالب کی غزلوں کی مرمت شروع کر رکھی ہے۔ جی ہاں، مرمت! وُہ یہاں ایک ہفت روزہ "زندگی" میں باقاعدہ سے "دیوانِ غالب..... مرمت شدہ" کے عنوان سے غالب کی غزلوں کی ہتک کرتے رہتے ہیں اور مصرعوں کی یوں مرمت کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنا سر پیٹ کے رہ جاتا ہے۔ نمونۃً ان کی تحریر کے دو ایک تراشے بھیج رہا ہوں۔ یہ سلسلہ کئی ہفتوں سے چل رہا تھا کہ یکایک اسی ادارے کے ایک رُکن اختر شیخ اُن کے مقابلے میں اُترے اور "مرمت شدہ دیوانِ غالب کی مرمت" کے عنوان سے جوابی تنقید شروع کر دی۔ غالب کی مرمت کرنے والے شاعر ظفر اقبال ہیں جن کا فن کب کا پٹڑی سے اُتر چکا ہے۔ وُہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے قریبی احباب میں شامل ہیں۔ اختر شیخ نے انھیں ایک طرح سے بھگا دیا ہے اور انھوں نے اعلان کیا ہے کہ اب میں غالب کی مرمت کا یہ سلسلہ الٰہ آباد کے "شب خون" میں شروع کروں گا۔ اب دیکھیں وُہ وہاں کیا کیا گُل کِھلاتے ہیں۔ اس سے پہلے شاعر اور نقاد انیس ناگی "غالب..... ایک اداکار" کے عنوان سے ایک مختصر سی کتاب بھی لکھ چکے ہیں۔ ان سے بھی پہلے سلیم احمد مرحوم نے "غالب کون؟" کے نام سے کراچی سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ کسی صاحب نے اس کتاب کا جواب بھی کتابی صورت میں لکھا تھا۔[xvi]

قاسمی نے معروف ادبی مجلہ "فنُون" کا اداریہ غالب کے فکر و فن پر پھبتیاں کسنے والوں پر لکھا اور مولانا حالی کے مرثیۂ غالب کے چند بند پیش کر کے غالب کے فکر و فن کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ۱۹۴۴ء میں احمد ندیم قاسمی نے ایک مختصر مضمون "غالب خستہ کے بغیر" تحریر کیا جس میں مرزا غالب کی سو سالہ برسی اور لاہور کے ادیبوں کے عجیب رویے کا ذکر کیا انھوں نے لکھا کہ لاہور میں گزشتہ چند برسوں کے اندر شعرا و ادبا کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو غالب کو بڑا شاعر تو کیا سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اس طبقے کا کہنا ہے کہ

۱- غالب کے کلام میں آمد کم اور آورد زیادہ ہے۔

۲- غالب نثر میں سوچتا ہے، اسی لیے سپاٹ رہ جاتا ہے۔

۳- غالب سے بہتر داغ دہلوی ہے جو بے تکلفی سے شعر کہتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی اُردو ادب کے معتبر مجلّے "فنُون" کے مدیر تھے۔ فنُون کا "غالب نمبر" شائع کیا۔ غالب کی شخصیت اور شاعری کے عنوان سے انھوں نے فنُون کا اداریہ تحریر کیا۔ لکھتے ہیں:

".....حقیقت یہ ہے کہ.....غالب نے غزل کو خیال کی بلندی اور فکر کی گہرائی سے آراستہ کیا تھا"۔[xvii]

غالب ایک بڑے فن کار، شاعر اور انشا پرداز تھے ان کی نظر زُبان کی نزاکتوں پر تھی۔ وُہ لفظوں کا بر محل و درست استعمال کرتے تھے۔ غالب پر اعتراض کرنے والوں نے غالب کی لفظی تنقید پر زور دیا ہے۔ زُبان دانی کو زیرِ بحث نہیں لائے۔ غالب چار زُبانیں عربی، فارسی، اُردُو اور ہندی جانتے تھے لیکن اُردُو اور فارسی پر انھیں عبور تھا۔ اگرچہ عربی کے عالم یا محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے لیکن عربی اچھی جانتے تھے۔ غالب اگرچہ ہمارے ادب کی کلاسیکی روایات کا امین ہے۔ قاسمی عمرِ عزیز کے آخری حصّے تک غالب کی مخالفت کرنے والوں کو مسلسل جواب دیتے رہے۔ اپنے مضمون "پوچھتے ہیں وُہ کہ غالب کون ہے؟" میں قاسمی نے اپنی غالب شناسی اور غالب کی زندہ متحرک روایات میں اپنی بیداری کا ثبوت اس طرح دیا"شعر و فن اور علم و ادب کے سلسلے میں ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے اور ان بزرگوں کے بزرگوں نے جتنا کچھ غالب سے پایا وُہ کسی دوسری شخصیت سے نہیں پایا۔ غالب کی نظم اور نثر برصغیر پاکستان وہند کے مسلمانوں کے فکر و فن کا نقطۂ عروج ہے۔ غالب ہم سے چھن جائے تو ہم سب کتنے غبی دکھائی دینے لگیں"۔[xviii]

قاسمی نے غالب کی جدت طرازی، مشکل پسندی اور فلسفیانہ طرزِ فکر کے ساتھ ساتھ ان کے رمز و ایماء، ایہام و ابہام اور قواعد کے نادر استعمال کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے غالب کی زُبان، تراکیب، خیالات، محاکات، تشبیہات، استعارات و کنایات اور دیگر لوازماتِ شاعر جو کہ غالب کی شاعری کا حصّہ ہیں کا عمیق جائزہ لیا اور متعدد تراکیب جو غالب نے ایجاد کیں ان کا جائزہ بھی لیا۔ اس طرح غالب کی باریک بینی اور فکر و تخیل تک ہمیں رسائی حاصل ہوتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے غالب کی شخصیت اور فن پر لکھے گئے مقالات میں نہ تو غیر ضروری تفصیلات درج ہیں اور نہ ہی بے معنی حوالے و آرا پیش کی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی کتاب کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ زیرِ نظر مقالات قاسمی کی تنقید کے مختلف نقطہ ہائے نظر کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ قاسمی کے فکر کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ غالب کے متعلق قاسمی اپنے خیالات کو افکار کا جامہ اس طرح پہناتے ہیں:".....جب ہم آج بھی اس کی غزل پڑھتے یا سُنتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اوّل کا یہ شاعر بیسویں صدی کے نصف آخر کے لہجے اور محاورے میں نہایت جیتے جاگتے تیوروں کے ساتھ ہم سے ہم کلام ہے اور مجھے یقین ہے کہ غالب ابھی صدیوں تک ہماری نسلوں سے اسی تازگی اور توانائی کے ساتھ ہم کلام رہے گا"۔[xix]

قاسمی نے غالب کے فکر و فن اور عظمت کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے اُردُو اور فارسی اشعار و قصائد کا سہارا لیا جو قارئین کے اذہان پر خوشگوار تاثّر چھوڑتا ہے۔ علاوہ ازیں قاری قاسمی کے سنجیدہ، عمیق نظر، مطالعہ فکر اور مقالات سنجیدہ مضامین کی داد بھی دیتا ہے۔ "جیتا جاگتا غالب" اور "غالب کا اندازِ گل افشانیِ گفتار" میں تکرار کا عنصر غالب ہے۔ اوّل الذکر مضمون پر سنہ درج نہیں جب کہ مؤخر الذکر مضمون ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا۔ اس میں بعض جگہ تو اقتباسات کو اپنے نثری الفاظ میں پیش کیا ہے۔ مثلاً "جیتا جاگتا غالب" میں رقم طراز ہیں:"اسے اس کی تہہ دار فکر نے یہ یقین بخشا ہے کہ جب سات آسمان رات دن گردش میں ہیں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ غروب کے بعد طلوع کی باری نہ آئے اور تاریکی وسعتوں میں پرتوِ خورشید سے شبستانوں کے آئینہ خانے نہ سج جائیں۔ اسی لیے تو غالب کا کرب ایک مثبت کرب ہے۔ یہ نہ تو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے پر مجبور کرنے والا کرب ہے اور نہ ماورائیت کے دھندلکوں میں بھٹکا دینے والا کرب ہے۔ اس کرب کی پشت پناہی غالب کی بصیرت کے سپرد ہے"۔[xx]

غالب کے جذبات و محسوسات کے مخصوص آہنگ اور اس کے تجربے کی کیفیت نے سنجیدہ انداز کو جنم دیا۔ قاسمی نے اس کو غالب کے فکر کے پس منظر میں دیکھا، سمجھا اور اسے بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک غالب کا ادراک و شعور اور ان کی شخصیت کی اپنی تہہ داری کے پس منظر میں پیدا ہوتی ہے اگرچہ اُردُو شعری روایت غالب سے پہلے بھی موجود تھی۔ غالب نے اس کو ایسے انداز میں برتا کہ وُہ ان کی اپنی شخصیت کی آئینہ داری کرتی ہے اور ان کے مخصوص رنگِ تغزل کی بھی عکاس ہے۔

غالب ایسا فن کار ہے جو لفظوں کے دروبست، نئی تراکیب کی اختراع اور مصرعوں کی تراش خراش سے اپنی شاعری کے آہنگ کو مؤثر بنانے کا فن بھی جانتے ہیں اور ایسی مترنّم زمینوں کا گہرا شعور رکھتا ہے جو الفاظ اور تراکیب کے برتاؤ اور رچاؤ سے اور بھی مترنّم ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں قاسمی نے دیوانِ غالب سے بڑے دل کش اشعار کو پیش کیا ہے۔ غالب کی دیگر خصوصیات میں ایک وصفِ خاص یہ بھی تھا کہ سب سے ہٹ کر چلنا اور اپنا راستہ اختیار کرنا ان کے مزاج کی بنیادی خصوصیت تھی۔ غالب کی یہی انفرادیت تہذیب کے روایتی دائرے کو توڑ کر تخلیقی سطح پر اپنا الگ دائرہ بنانے کا موجب بنی جو جدید شعور اور جدید طرزِ احساس پر مشتمل ہے۔ غالب کا یہ طرزِ خاص جدید نظریات پر پورا اترنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> ”احمد ندیم قاسمی نے غالب کو ایک باشعور دیوانہ کہتے ہوئے ان کی شاعری کی عظمت کو سمجھنے کی بہت ہی عمدہ کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنے طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ غالب کو اپنے عہد کا مکمل شعور تھا اپنے حال کا عرفان حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وُہ مستقبل میں بھی جھانکنے کی بار بار کوشش کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے درست فرمایا ہے کہ غالب نے خود کو جس گلشنِ ناآفریدہ.... جس خوب صورت مستقبل کا ”عندلیب“ قرار دیا ہے، وُہ ان کے عصر کے آشوب کا صحیح ردِّ عمل تھا“۔[xxi]

غالب کی شاعری کی عظمت کو سراہتے ہوئے غالب کی شاعری میں فکر و نظر کی گہرائی کا جو ذکر کیا ہے اپنے مضمون ”غالب اور حسرتِ تعمیر“ میں لکھتے ہیں:

> ”غالب کی جگہ کوئی اور شاعر ہوتا تو ساری زندگی شہر آشوب ہی لکھتا رہتا اور اپنی نہایت پیاری قدروں اور روایتوں کی کچلی ہوئی میّتوں پر عمر بھر سینہ زن رہتا۔ سینہ زنی اس نے بھی یقیناً کی۔ کیوں کہ اگر وُہ ایسا نہ کرتا تو ہم اسے بے حس ٹھہراتے۔ اس نے سینہ زنی کی تو یہ انسانی فطرت کا تقاضا تھا مگر انسانی فطرت کا تقاضا یہ بھی تو ہے کہ وُہ گرتا ہے تو اُٹھ بھی کھڑا ہوتا ہے۔ اس نے شکست پر ماتم ضرور کیا مگر شکست کو تسلیم کبھی نہیں کیا“۔[xxii]

اگر غور کیا جائے تو حسرتِ تعمیر ہی ہے جس سے غالب کی شاعری پہلودار بنتی ہے۔ قاسمی نے دُرست کہا ہے کہ غالب اگر ماضی کی لاش پر سینہ کوبی کو واحد منصب ٹھہراتے تو اُردُو ادب اس غالب سے محروم ہو جاتا جو آج ہمارے شعر و فن کا قیمتی سرمایہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے مطالعۂ غالبیات میں جن نئی جہتوں کی دریافت کی ہے اس میں انھوں نے غالب کے کلام سے کئی نئے زاویے تلاش کیے ہیں۔ وُہ کلامِ غالب سے ایسے عناصر کی تلاش کرتے ہیں جس سے تفہیمِ غالب کے نئے در واہوتے ہیں۔ غالب اپنے دیوان کی ابتدا حمد و نعت کے بجائے شکوہ و فریاد سے کرتے ہیں ان کا شکوہ ذاتی شکوہ نہیں بل کہ ساری انسانیت کی لے ہے۔ غالب اس کو زندگی کی ایک بڑی سچائی سمجھتے ہیں۔ قاسمی ہمیں غالب کی شعری اہمیت کو ایسے متنوع رنگوں سے آگہی دیتے ہیں۔ غالب انسانی زندگی کے نشیب و فراز کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ قاسمی کے مطابق غالب نے ہر خاص و عام، داخلی اور خارجی عوامل کا گہرا جائزہ لیا اس ماحول نے غالب جیسے شاعر کو بڑی شاعری کی تحریک دی۔ غالب کی شاعری بے عملی اور جمود کے بجائے حرکت اور عمل کی نقیب ہے اور زندگی کی مثبت قدروں کا احساس ہے۔ غالب نے اپنے ماحول کے گہرے

اثرات قبول کیے۔ قاسمی کے نزدیک غالب نے ذاتی حالات وواقعات، زندگی کی تلخیوں کو شدت سے محسوس کیا اور اپنے عقیدے پر عمل پیرا ہو کر اُردُو ادب کو زندہ اور پائیدار طرزِ احساس عطا کیا۔ یہ طرزِ احساس آج بھی اُردُو شاعری کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔

غالب کی زندگی پہلودار تھی اس میں ابتدا سے اختتام تک بے شمار نشیب و فراز نظر آتے ہیں۔ غالب کے اشعار اپنے دور کی دُرُست نمائندگی کرتے ہیں۔ غالب کی شاعری اپنے تہذیبی اور تمدنی پس منظر میں زندگی کی آئینہ دار ہے۔ غالب نے فن کی نزاکتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے غزل میں خیال انگیزی اور فکر انگیزی کو مدِّ نظر رکھا ہے اسھ لیے تو ان کی شاعری کا سحر آج تک قائم ہے۔ غالب کی شاعری کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے وُہ قابلِ تحسین ہے۔ غالب نے روایت پرستی کے باوجود روایت شکنی کی روایت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ قاسمی نے ان مقالات میں ان تمام خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے غالب کو نہ صرف اپنے عہد کا منفرد شاعر بنایا بل کہ ساری اُردُو شاعری میں سب سے بڑے شاعر کا رُتبہ دیا۔ غالب کی ذات کی تعمیر کیسے اور کن حالات میں ہوئی ان تمام سوالات کا جواب ان مضامین میں دینے کی کوشش کی ہے۔

اُردُو کی شعری روایت میں مرزا اسد اللہ خان غالب کا شمار ان مقبول شعرا میں ہوتا ہے جن کی شاعری میں انسان، حیاتِ انسانی، اس کے متعلقات و معاملات، اجتماعی و انفرادی مسائل، انسانی زندگی سے متعلق شعور کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے شعر برائے شعر کہنے کی روایت سے گریز کرتے ہوئے شعر برائے زندگی کی پاسداری کی۔ غالب نے زندگی اور اس کے معاملات کا باریک بینی سے جائزہ لے کر اپنے اشعار کی صورت میں پیش کیا۔ ان کے ہاں شعر، تجربے اور تخیل کے سانچے میں ڈھل کر نگینہ بن جاتا ہے۔ غالب کی زندگی بڑی پہلودار تھی اس میں بے شمار نشیب و فراز دِکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں جلال بھی ہے جمال بھی زندگی کے تلخ حقائق بھی موجود ہیں اور انسان کو فرحت بخشنے والا رومان بھی۔ جلال و جمال کا دل کش سلسلہ بھی غرض ان کی شاعری میں نہایت دل کش امتزاج موجود ہے۔ پیشِ نظر کتاب کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قاسمی غالب کے ہم عصر رہے ہوں۔ غالب کی زندگی، غالب کے دور کے سیاسی و سماجی حالات، غالب کی شاعری کے نمایاں خدوخال، غالب کا مختلف شعرا کے ساتھ موازنہ اور کلامِ اقبال کی ہمہ گیر حیثیت کو قاسمی نے بڑے کمالِ فن سے اُجاگر کیا ہے اور اُردُو ادب میں غالب کی حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو دنیائے فانی سے کوچ کرنے والا غالب عصرِ حاضر میں بھی اُردُو شاعری کا بے تاج بادشاہ ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے غالب کے فن کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ غالب ایک اعلیٰ درجے کے فن کار تھے۔ وُہ فن کا گہرا ادراک رکھتے تھے وُہ روایت کے بھی پرستار تھے۔ انھوں نے نہایت ہنرمندی کے ساتھ روایت کو تجربے کے ساتھ ہم آہنگ کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے فن میں روایت اور تجربے کا ایک دل موہ لینے والا امتزاج موجود ہے۔ غالب کے فکر و فن پر قاسمی نے جو متفرق مضامین پیش کیے وُہ اس امر کے غماز ہیں کہ انھیں غالب کے فکر، غالب کے فن، انسان دوستی، غالب کے دل کش اندازِ بیاں، غالب کے اسلوب، غالب کی جمال پسندی سے گہری دل چسپی تھی۔ انھوں نے غالب کی شاعری کو عہدِ غالب کے پس منظر میں دیکھتے ہوئے تنقید کی اور ہر بات کا واشگاف الفاظ میں اظہار کیا۔ قاسمی کی تنقید اگرچہ گہری بصیرت، شعور اور ادراک رکھتی ہے اور ان کی تنقیدی کاوشیں تحسین کی مستحق ہیں۔ قاسمی نے غالب کے فکر و فن کا دقتِ نظری سے جائزہ لے کر استنباط نتائج کیا ہے۔ انھوں نے واضح، شفاف منفرد پہلو سے غالب کے فکر و فن کو ژرف بینی سے پیش کیا۔ غالب کے متعلق قاسمی کے خیال افروز اور خیال انگیز مقالات نے غور و فکر کی راہیں روشن کیں۔ غالب فہمی میں قاسمی کا اہم کردار ہے کہ انھوں نے اپنے جمالیاتی نقطۂ نظر سے غالب کی متخیلہ کو تجزیے و تحلیل سے گزارا ہے۔ قاسمی کے خیال میں فکرِ غالب کی بصیرت کا کرشمہ ہے کہ اُردُو کو آزادی نصیب ہوئی اسے ایک کھلی فضا ملی جہاں جمالیاتی تجربات

میں تہہ داری پیدا ہوئی۔ قاسمی نے غالب کے فکر و فن کا باریک بینی سے جائزہ پیش کرتے ہوئے انھیں اُردو کا پہلا خرد مند اور صاحبِ دانش شاعر کہا ہے۔ انھیں وقت کی دست برد سے آزاد کہا ہے۔ قاسمی نے محولہ بالا مضامین کی صورت میں ایشیا کے اس عظیم فن کار کے حضور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کیا ہے۔ ان کی فنی عظمت کو سراہا ہے۔ خیالات کو بالیدگی بخشنے والے محسن غالب کے احسانات سے اُردو ادب کے قارئین کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ قاسمی ان مقالات کے ذریعے غالب شناسوں کی فہرست میں اپنا نام امر کر گئے۔ غالب سے انھیں یک گونہ محبت تھی غالب پر ان کے مضامین اسی مدت العمر کے عشق کا مظہر ہیں۔ یہ تنقیدی مضامین غالب کے فکر و فن کے مخفی گوشوں کو مترشح کرتے ہیں اور بعض مقالات میں تحقیق و تنقید کے امتزاج سے قابلِ قدر نتائج بھی اخذ کیے گئے ہیں۔

حواشی

---

i منور ملک، ”پس تحریر“، (لاہور: بک مارک، ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۳ء)، ص ۹۳۔

ii احمد ندیم قاسمی، ”پس الفاظ“، (لاہور، اساطیر پبلی کیشنز)، ص ۵۸۔

iii مرزا اسد اللہ غالب، ”دیوانِ غالب“، (لاہور، شاہد پبلی کیشنز)، ص ۱۸۳۔

iv علامہ محمد اقبال، ”کلیاتِ اقبال“، (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ۵۲۔

v احمد ندیم قاسمی، ”پس الفاظ“، ص ۶۴۔

vi ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، ”احمد ندیم قاسمی اور غالب“ مشمولہ سہ ماہی مونتاج، لاہور، جلد ۱، ۲، ۲۰۰۷ء ص ۵۹۔

vii احمد ندیم قاسمی، ”پس الفاظ“، ص ۴۷۔

viii سہ ماہی فُنُون، ندیم نمبر، شمارہ نمبر ۱۲۸، دسمبر ۲۰۰۸ء تا دسمبر ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۰۔

ix احمد ندیم قاسمی، ”پس الفاظ“، ص ۷۵۔

x ایضاً، ص ۵۳۔

xi ایضاً۔

xii ایضاً، ص ۸۶۔

xiii ایضاً، ص ۴۷۔

xiv ایضاً۔

xv کلیم احسان بٹ، ”احمد ندیم قاسمی کی غالب شناسی“، مشمولہ ماہ نامہ ”بیاض“ لاہور، جلد نمبر ۱۴، شمارہ نمبر ۱۱، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷۱۔

xvi ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، ”احمد ندیم قاسمی اور غالب“ مشمولہ صحیفہ احمد ندیم قاسمی نمبر، مجلس ترقّیِ ادب، لاہور، جولائی ۲۰۰۹ء تا مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۲۱، ۲۲۔

xvii سہ ماہی فُنُون خاص نمبر، ندیم نمبر، شمارہ نمبر ۱۲۸، دسمبر ۲۰۰۸ء تا دسمبر ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۹۔

[xviii] احمد ندیم قاسمی، "پس الفاظ"، محولہ بالا ۰۲، ص ۴۸۔

[xix] ایضاً، ص ۵۶۔

[xx] ایضاً، ص ۴۲،۴۳۔

[xxi] شکیل الرحمٰن، "احمد ندیم قاسمی نمبر، مشمولہ صحیفہ، ص ۱۹۔

[xxii] احمد ندیم قاسمی، "پس الفاظ"، محولہ بالا ۰۲، ص ۷۱۔

References:

1. Munawir malik, ‘’pase tahreer’’, (Lahore: book mark, temple road, 1993), page 93
2. Ahmad nadeem qasmi, ‘’pase alfaz’’ (Lahore: aster publications), page 58
3. Mirza asadullah khn ghalib,’’ dewan ghalib’’, Lahore: shahid publications, page 183
4. Allama Muhammad iqbal,’’kulyat iqbal’’, Lahore: ghulam ali and sons, page 52
5. Ahmad nadeem qasmi, ‘’ pase alfaz’’, page 64
6. Dr, shakeel ur rahman, ‘’ ahmad nadeem qasmi or ghalib’’ mashmula sah mahi montaj, Lahore, jild1,2, 2007, page 59
7. Ahmad nadeem qasmi, ‘’pase alfaz’’ page 37
8. Sah mahi fanon, nadeem number, shumara number 128, December 2008, ta December 2009, page 150
9. Ahmad nadeem qasmi, ‘’pase alfaz’’ page 75
10. Azeen, page 53
11. Azeen
12. Azeen, page 86
13. Azeen, page 47
14. Azeen
15. Kaleem ahsan butt, ‘’ahmad nadeem qasmi ki ghalib shanasi’’mahnama ‘’beyaz’’ Lahore: jild number 14, shumara number 11, 2006, page 171
16. Dr, shakeel ur rahman, ‘’ ahmad nadeem qasmi or ghalib’’ mashmula sahifa ahmad nadeem qasmi number, majlees tarkee adab, Lahore, july 2009, ta march 2010
17. Sah mahi fanon khas number, nadeem number, shumara number 128, December 2008, ta December 2009, page 149
18. Ahmad madeem qasmi, ‘’pase alfaz’’, page 48
19. Azeen, page 56
20. Azeen, page 42-43

21. Shakeel ur rahman,'' ahmad nadeem qasmi number, mashmula sahifa, page 19
22. Ahmad nadeem qasmi, ''pase alfaz'', page 71